اچھوتوں کی
الف لیلہ
کرشن چندر
دوسرا حصہ

کرشن چندر

چڑیوں کی الف لیلہ

دوسرا حصہ

کھلونا بک ڈپو، پھاٹک حبش خاں، دہلی

قیمت ۷۵ نئے پیسے

زیر اہتمام الیاس دہلوی   انڈین پرنٹنگ ورکس نئی دہلی میں فوٹو آفسیٹ کے ذریعے چھاپی گئی۔

پہلا ایڈیشن

پہلی بار ——— پانچ ہزار ——— جولائی ۱۹۵۸

اب تک کی کہانی . . . .

روئنسی ندی کے کنارے بانسوں کے ایک جنگل میں سفید چڑیاں اپنے راجہ اور رانی کے ساتھ رہتی تھیں۔ رانی کے ساتوں انڈوں میں سے جب ایک چڑیا اور چھ چڑے کالے رنگ کے نکلے تو راجہ نے ان سب کو جنگل سے باہر نکال کر دوسری چڑیا سے شادی کر لی اور اس کے ہاں سفید راج کمار پیدا ہوا، جو لاڈ پیار کی وجہ سے نکما اور بزدل ہو گیا تھا۔ جنگل پر نئی آفت یہ آئی کہ ایک اژدھا آن بسا اور سینکڑوں چڑیوں کو روز کھانے لگا۔ چڑیوں کے راجہ نے بڑی خوشامد سے اژدہے سے یہ بات منوائی کہ ہر روز دو چڑیاں اس کے کھانے کے لئے پہنچ جایا کریں گی، وہ شکار نہ کرے۔

راجہ نے تین دن تک تو کالے راج کماروں کو اژدہے کے لئے بھیجا، پھر کالی راج کماری اور اس کی ماں کو۔ کالی چڑیا نے اژدہے کو کہانی سنانے کا شوق دلا کر اپنی ماں کو آزاد کرایا اور متھرا کے اُلّو کی کہانی سنائی جسے متھرا کے پنڈت نے برندابن کے بندر سے مِل کر، ایک جل پری کی خوب صورتی کا لالچ دے کر جمنا بھگا دیا۔ اُلّو جل پری کے پیچھے جمنا میں کُود پڑا، لیکن کالے پانی میں کیکڑے خاں کی حکومت میں راستہ بھول گیا۔ اپنے پاؤں جگنو مچھلی کو اور چونچ کیکڑے خاں کو دے کر وہ کچھوے تک تو پہنچ گیا۔ اتنے میں کیکڑے خاں نے ایک مچھلی کو پکڑ کر اُسے کھانا ہی چاہا تھا کہ اُس مچھلی نے کہا مجھے کھاؤ گے تو وہی حال ہوگا جو بنگال کی اُس وہیل مچھلی کا ہوا تھا جس نے غلطی سے ایک سفید ہاتھی کھا لیا تھا۔ کیکڑے نے اُسے چھوڑ دیا، کچھوے اور اُلّو کے ساتھ اس وہیل مچھلی کی کہانی سُننے لگا:

قصّہ وہیل مچھلی کا۔ برما کے سفید ہاتھی کا اور کلغی والے گیدڑ کا

بہت عرصہ گزرا، برما کے جنگلوں میں ایک ہاتھی رہتا تھا جس کا رنگ بالکل سفید تھا۔ دوسرے ہاتھیوں کا رنگ بالکل کالا تھا۔ سفید ہاتھی نے کالے ہاتھیوں سے کہا دیکھو میرا رنگ سفید ہے، تمہارا کالا ہے اِس لئے میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ کالے ہاتھیوں نے یہ بات مان لی اور اُسے اپنا بادشاہ سمجھ کر اس کے لئے اونچے لانبے بانسوں کا ایک عالی شان محل تیار کر دیا۔ بادشاہ بننے کے بعد سفید ہاتھی نے جنگل میں کام کرنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ اب تو درجنوں ہاتھی ہتھنیاں اس کے نوکر چاکر غلام تھے اور ہر وقت اس کے آگے پیچھے گھومتے رہتے تھے۔ ایک ہتھنی تھی کہ جو دن بھر اس کی دُم میں کنگھی کرتی رہتی تھی۔ دو ہاتھی اس کی سونڈ صاف کرنے پر مقرر تھے۔ چار ہاتھی اس کے دانت صاف کرنے پر مقرر تھے۔ کیوں کہ ہاتھی کے دانت کھانے

کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں اس لئے انہیں صاف کرنے مانجھنے اور ان پر پالش کرنے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے۔

کالے ہاتھی ہر روز گلے بنا کر جنگل میں چرنے جاتے اور سفید ہاتھی کے لئے ایراوتی کے کنارے اُگنے والی بہترین خوشبودار گھاس کھود کر لاتے وہ اس کی سونڈ کو خوشبودار پھولوں سے سجاتے۔ اس کے گلے میں ہار ڈالتے۔ اس کے ماتھے پر سیندور لگاتے اور اس کے چھوٹے سے سر پر ہاتھی دانت کا تاج اور تاج کے اوپر شتر مُرغ کی کلغی سجا کر ہر روز اس کے سامنے گھٹنے ٹیکتے۔ مفت کی گھاس کھا کھا کر سفید ہاتھی اتنا موٹا ہو گیا کہ اس نے اپنے محل سے باہر نکلنا بھی چھوڑ دیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور بھی اندر کو دھنس گئیں۔ اور اب وہ گھاس کے ساتھ بھنگ بھی کھانے لگا اور بھنگ کھا کر نشے میں چُور ہو کر اپنے بستر پر پڑا پڑا دن بھر خراٹے لیا کرتا۔

جنگل کے شیر نے جب یہ دیکھا کہ ہاتھیوں کا بادشاہ اس قدر لاپروا ہو گیا ہے کہ اپنی رعایا کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا تو اس نے ایک دن موقع پا کر ایک

ہاتھی پر حملہ کر دیا جو اپنے گلّے سے ذرا الگ چر رہا تھا۔ اور اسے جان سے مار ڈالا۔ ہاتھی شیر کی شکایت لے کر سفید ہاتھی کے پاس پہنچے مگر سفید ہاتھی بھنگ پی کر سو رہا تھا۔

دوسرے دن شیر نے ایک اور ہاتھی کو مار ڈالا۔ ہاتھی پھر شیر کے حملے کا حال بیان کرنے کے لئے بادشاہ کے محل میں پہنچے۔ مگر سفید بادشاہ بھنگ کھا کر سو رہا تھا۔ ایک نوکر ہاتھی نے بتایا کہ بادشاہ آج بھنگ کا ڈبل بستہ کھا کر سوئے ہیں۔ اُمید نہیں ہے کہ اگلے تین روز تک ان کی آنکھ کھلے۔ اس پر کالے ہاتھی بہت گھبرائے۔ کیوں کہ ہاتھی ہمیشہ گلے بنا کر اپنے لیڈر کی رہنمائی میں چلتے ہیں۔ اور اب ان کا رہنما ان کا بادشاہ ان سے غافل ہو کر بھنگ کھا کر سویا پڑا تھا۔ اب وہ کس کے پاس اپنی فریاد لے کر جائیں۔ اور ادھر شیر تھا کہ ہر روز ایک نہ ایک ہاتھی کو مار ڈالتا تھا۔ اب وہ کریں تو کیا کریں؟ اُن ہی دنوں جنگل میں ایک گیدڑ بھی رہتا تھا۔ اس کا نام بِسنتو تھا۔ یہ گیدڑ بڑا مکّار تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ شیر ہر روز ہاتھی کا شکار کرتا ہے اور اس کے

گوشت میں سے گیدڑ کو برابر کا حصہ نہیں دیتا ہے۔ تو گیدڑ دل ہی دل میں شیر سے خفا ہو گیا اور اس نے شیر سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔

بشنو گیدڑ نے کالے ہاتھیوں کی مصیبت کا حال سُن رکھا تھا چنانچہ اب وہ اُن ہاتھیوں کے پاس گیا اور اُن سے کہنے لگا "اگر تم لوگ مجھے اپنا راجہ بنالو تو میں تمہیں شیر کے حملوں سے بچا سکتا ہوں"۔

کالے ہاتھیوں نے کہا "مگر ہمارا راجہ تو سفید ہاتھی ہے"۔

بشنو بولا "کیسا تمہارا راجہ ہے جو تمہارے آگے ایک شیر کا مقابلہ نہیں کرتا۔ دیکھو اگر تم مجھے اپنا راجہ بنالو گے تو میں تمہیں ایسی ترکیب بتاؤں گا کہ شیر تو کیا شیر کا باپ بھی تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا"۔

کالے ہاتھیوں نے کہا "وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ہم تمہیں اپنا راجہ کیسے بنالیں۔ ایک تو تم گیدڑ ہو ہم ہاتھی ہیں۔ دوسرے تمہارے سر پر کلغی بھی نہیں ہے اور سب راجاؤں کے سر پر کلغی ہوتی ہے"۔

"کلغی میں لاتا ہوں" گیدڑ بولا "مگر تم وعدہ کرو۔ اگر میں کلغی لے آؤں تو تم

مجھے راجہ بنالوگے۔"

"ہاں!" بہت سے ہاتھیوں نے اپنے لمبے لمبے کان ہلاکر وعدہ کرلیا۔کیوں کہ وہ ہاتھی تھے اور انسانوں کی طرح اپنی گردن نہیں ہلا سکتے تھے۔

گیدڑ کچھ سوچ کر مور کے پاس گیا۔مور اُس وقت بڑے مزے میں اپنے پنکھ پھیلاکر ناچ رہا تھا اور خود کو دیکھ دیکھ کر خوش ہورہا تھا۔گیدڑ اس کے قریب جاکر مونہہ لٹکا کر بیٹھ گیا۔

مور بولا "کیوں کیا میرا ناچ تمہیں پسند نہیں آیا؟"

گیدڑ اداس ہوکر بولا "نہیں یہ بات نہیں ہے!"

مور نے کہا "پھر کیا بات ہے؟"

گیدڑ نے کہا "مور بھائی کیا کہوں۔ابھی ابھی راستے میں مجھے تمہاری مورنی ملی تھی۔کہتی تھی میں جنگل چھوڑ کے جارہی ہوں۔"

مور نے گھبرا کے پوچھا "کیوں؟ کیوں؟ آخر کیا ہوا۔"

گیدڑ نے اپنی جیب سے کھدر کا ایک رومال نکالا اور اپنے آنسو پونچھ کر کہنے لگا

"کہتی تھی مور سے کہہ دینا مجھے اس کی سبز رنگ کی کلغی ذرا بھی اچھی نہیں لگتی۔
میں جارہی ہوں۔"

مور بالکل پریشان ہو کے بولا "بشنو بھائی، اب کیا ہوگا، اب کیا کروں میں۔
میرے پاس تو یہی ایک کلغی ہے۔ اور بہت سے پرندوں کے پاس تو ایک
کلغی بھی نہیں ہوتی۔ میں اب دوسرے رنگ کی کلغی کہاں سے لاؤں۔"

گیدڑ نے اپنے سر پر سے کھدر کی ٹوپی اتاری۔ اُسے خوب اچھی طرح سے
جھاڑا۔ اور پھر اسے اپنے گھٹنوں پر رکھ کر بولا "ایک ترکیب ہے مگر وعدہ کرو
کہ اگر میں تمہاری کلغی بدل دوں تو تم جنگل کا راجہ بننے کے لئے مجھے ووٹ
دوگے" مور اپنی مورنی کو بہت چاہتا تھا اس لئے اس نے جھٹ سے وعدہ کرلیا۔
گیدڑ نے کہا "تو اپنی کلغی اتار کے میرے حوالے کردو۔ میں رتے گلے کی لال لال
پیاری سی کلغی تمہیں لا کے دے دوں گا۔"

"مگر کیا رت گلہ اپنی کلغی مجھے دے دے گا۔ وہ تو بڑی مغرور چڑیا ہے۔ اپنی
لال کلغی پر سے اتنا ناز ہے کہ کسی سے آسانی سے بات بھی نہیں کرتا یہ رت گلہ۔"

گیدڑ نے کہا "تم اپنی کلغی اُتار کر مجھے دے دو۔ میں ریشم کی لال لال کلغی تمہیں لا دوں گا۔"

گیدڑ نے کمذر کی ٹوپی اپنے سر پر پہن کر کہا "وہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ تبادلہ میں کرادوں گا۔ اس کی کلغی تمہارے سر، اور تمہاری کلغی اس کے سر . . . . اپنا تو کام ہی یہی ہے"

مور نے ذرا ہچکچاتے ہوئے کہا "بشنو بھائی ایک بات اور پوچھوں، یہ کلغی جب میرے سر سے اُتر جائے گی تو دوسری کیسے اس پر فٹ ہوگی"

"آپریشن سے!" گیدڑ بولا "اب تو یہ آپریشن بڑا آسان ہو گیا ہے۔ مور بیٹا۔ وہ دریا کنارے جو کلنگ رہتا ہے وہ ولایت سے نئے نئے آپریشن سیکھ کے آیا ہے۔ وہ تو اس کام میں ایسا ماہر ہے کہ اگر چاہے تو تمہارے پر کاٹ کے شیر کی دُم میں لگا دے۔ شیر کا سر کاٹ کے گیدڑ کے سر پر لگا دے۔ گیدڑ کا دل نکال کے شیر کے جسم میں رکھ دے۔ ولایت میں اس آپریشن کو 'پلاسٹک سرجری' کہتے ہیں۔"

مور نے سر ہلاتے ہوئے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو بشنو بھائی۔ میں نے آج کل بہت سے شیر دیکھے ہیں جن کا دل بالکل گیدڑ کا سا ہوتا ہے"

یہ سن کر گیدڑ کو بڑا غصہ آیا۔ مگر اسے تو مور سے کلغی حاصل کرنا تھی۔ وہ اس وقت چُپ رہا۔ اور جب مور نے اپنی کلغی اتار کے اُسے دے دی تو گیدڑ نے جلدی سے اس کلغی کو اپنی کھدّر کی ٹوپی میں رکھ لیا اور مور سے بولا "تم یہیں بیٹھو۔ میں ابھی رت گلے سے تمہارے لئے لال کلغی لے کے آتا ہوں۔"

گیدڑ مور سے کلغی لے کر رت گلے کے پاس پہنچا۔ رت گلہ اس وقت ایک جھاڑی میں پہلے سے اپنے گھونسلے میں دبکا پڑا تھا اور جلدی جلدی سانس لے رہا تھا۔

"کیا بات ہے رت گلے میاں؟"

"خدا کا فضل ہے۔"

"پھر بھی؟ بڑے پریشان نظر آرہے ہو۔ خیریت تو ہے" بشنو نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ارے کیا خیریت ہوگی" رت گلہ غصے میں بولا "صبح سے دو دفعہ باز مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔ ایک تو میں اس لال کلغی سے عاجز آگیا۔ دھوپ میں ایسے

سُرخ سُرخ چمکتی ہے کہ دُور سے سب کو نظر آجاتی ہے۔ اور پھر باز کی نگاہ تو تم جانتے ہو کتنی تیز ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے گھونسلے میں دبکا بیٹھا ہوں، کہ باز کہیں دفعان ہو جائے تو باہر نکلوں روٹی کا دھندا کریں، صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں۔"

گیدڑ یہ بات سن کے دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ بولا "تو تم اس کلغی کو اُتار کیوں نہیں دیتے۔"

رت گلا اپنی چونچ کھول کر بولا "واہ۔ اللہ نے یہی تو ایک خوب صورت چیز مجھے دی ہے، ورنہ اپنے پاس ہے کیا۔ ایک ٹوٹا سا گھونسلہ۔ چار تنکے۔ ایک لنگوٹی۔ ایک کلغی اللہ اللہ خیر صلا۔ اسی میں فاقہ مست رہتے ہیں۔ مگر پھر بھی خوش رہتے ہیں۔ تمہاری چونٹیوں کی طرح نہیں کہ سال بھر دانہ دانہ جوڑ کے اناج ٹیلے کے نیچے چھپایا اور ایک دن جو ہاتھی کا پاؤں ٹیلے کے اوپر پڑا تو سب غائب۔ اپُن تو روز کماتے ہیں روز کھاتے ہیں۔ کل کی فکر خدا کرے گا۔ اور رہ گئی یہ کلغی۔ ارے بشنوا۔ یہی تو بزرگوں کی ایک امانت رہ گئی ہے اپنے

پاس۔ ورنہ تاج بھی گیا تخت بھی گیا۔ اب تو ایک یہی کلغی رہ گئی ہے۔ اِسے بھی چھیننا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم ابھی سامنے سے چلے جاؤ ورنہ میں چونچ تمہارے پیٹ میں گاڑ دوں گا" رت گلہ لال بھبوکا ہو کے گیدڑ کی طرف دیکھنے لگا۔

بشنو نے اپنی کھدر کی ٹوپی گھمائی۔ ٹھیک کی، مسکرایا۔ پھر بولا "تم نے مجھے غلط سمجھا ہے میاں رت گلے، میں تو تمہارا بھائی ہوں۔ میں تو مصیبت میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ میں تمہاری کلغی چھیننے نہیں آیا ہوں۔ میں تم سے یہ کہنے والا تھا کہ اگر تم اپنی یہ لال کلغی مجھے دے دو تو میں اس کے بدلے میں تمہیں کھٹ بڑھئی کی خاکستری کلغی لا دوں گا۔ ایک تو اس کلغی کا رنگ خاکستری ہے، اس لئے باز کی نگاہ آسانی سے اس پر نہیں پڑے گی۔ اور تم دن بھر مزے میں سارے جنگل میں دندناتے پھرو گے! اور پھر دیکھو میاں رت گلے کھٹ بڑھئی کی کلغی تم سے بڑی بھی ہے اور شان دار بھی ہے۔"

رت گلے نے خوش ہو کے کہا "واللہ بات تو تم معقول کہتے ہو۔"

گیدڑ نے کہا "تو لاؤ اپنی کلغی۔ میں ابھی کھٹ بڑھئی کی کلغی تمہارے لئے لے کے

آتا ہوں، یہ کلغی اُسے دوں گا اور اس کی کلغی تمہارے لئے لے آوں گا۔"

"بہت اچھا" کہہ کر رت گلے نے اپنی سُرخ رنگ کی چمکتی ہوئی خوب صورت کلغی گیدڑ کے حوالے کردی۔ اور گیدڑ نے اُسے جلدی سے اپنی کھدّر کی ٹوپی میں چُھپالیا اور بھاگتا ہوا کھٹ بڑھئی کے پاس چلاگیا جو اُس وقت جنگلی آم کے پیڑ کے ایک تنے سے لگا اپنی لانبی تیز چونچ سے درخت کے تنے پر کھٹ کھٹ کر رہا تھا "سناؤ جی، کھٹ بڑھئی جی۔ کیا کر رہے ہو؟"

کھٹ بڑھئی نے اپنی لانبی تلوار سی چونچ کا رُخ تنے سے پھیر کر گیدڑ کی طرف دیکھا اور کہا "آؤ۔ آؤ گیدڑ بھائی۔ بولو کیا پیو گے لسی دہی۔"

"نہیں جی۔ تمہاری مہربانی ہے کھٹ بڑھئی جی مہاراج!" گیدڑ نے بڑے مسکین لہجے میں کہا۔ کیونکہ اُسے کھٹ بڑھئی کی تیز فولادی چونچ سے بڑا ڈر لگتا تھا "کہئے کام دام کیسے چل رہا ہے؟"

"واہگورو کی کرپا ہے۔ لالہ گیدڑ مل جی، تم کہو۔"

گیدڑ ذرا اور قریب آکے کھٹ بڑھئی سے بولا "کچھ معلوم بھی ہے جنگل میں انقلاب

آنے والا ہے۔"

"آتا ہے تو آنے دو بادشاہو۔ ہم تو اب بھی اپنی چونچ کی کمائی کھاتے ہیں، اُس وقت بھی اپنی چونچ کی کمائی کھائیں گے۔"

"مگر ایک بات تم نے نہیں سُنی" بشنو گیدڑ نے آہستہ سے کہا "سُنا ہے انقلاب میں سب کلغی والے پرندوں کو جان سے مار دیا جائے گا۔"

"وہ کیوں؟" کھٹ بڑھئی ذرا سا پریشان ہو کے بولا۔

"اس لئے کہ ان کے سر پر کلغی ہے اور کلغی راجاؤں کے سر پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ لوگ راجہ ہوئے۔ اور جب انقلاب آئے گا تو راجہ لوگ ختم کر دئے جائیں گے۔"

"باپ رے!" کھٹ بڑھئی نے گھبرا کے کہا۔ "اب کیا ہوگا۔"

گیدڑ نے اپنی کھدر کی ٹوپی سے مور کی اور رت گلے کی کلغیاں نکال کے دکھائیں۔ بولا "بھائی کھٹ بڑھئی اپنا تو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں تو تم لوگوں کے بھلے کے لئے کام کر رہا ہوں۔ یہ دیکھ لو۔ یہ مور سے اس

کی کلغی اور رت گلے سے اس کی کلغی لے کے آیا ہوں۔ انہیں لے جا کے دریا میں پھینک دوں گا۔ اب اگر تم چاہتے ہو تو تم بھی اپنی کلغی مجھے دے دو۔ پھر انقلاب تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔"

کھٹ بڑھئی نے خوش ہو کے کہا "کلغی کیا تم میرا سر بھی لے لو۔ مگر میری جان کسی طرح بچا دو بھائی اس انقلاب سے" اتنا کہہ کر کھٹ بڑھئی نے کمٹ سے اپنی کلغی اپنے سر سے کاٹ کے گیدڑ کو دے دی۔ اور گیدڑ خوشی خوشی بھاگتا ہوا آگے چلا گیا۔ ندی کنارے جا کے اس نے تینوں کلغیوں کو اپنی ٹوپی میں لگایا اور کالے ہاتھیوں کے گلے کے پاس جا کے کہنے لگا "بولو ایک نہیں تین کلغیاں لے کے آیا ہوں۔ بولو اب کیا کہتے ہو۔"

جب کالے ہاتھیوں نے گیدڑ کے سر پہ تین کلغیاں دیکھیں تو انہوں نے بھی اپنے گھٹنے ٹیک لئے اور خوشی سے چنگھاڑ کر بولے "تم آج سے ہمارے نئے راجہ"

راجہ نہیں راجیہ پال کہو" گیدڑ ذرا فخر اور غرور سے تن کے بولا "یعنی تم

ہماری چھتر چھایا میں سوئم جی نوارتھ نشنگ اور نس تبدھ روپ میں . . . "

" ہم نہیں سمجھے مہاراج " ایک ہاتھی نے سونڈ اٹھا کے کہا " آپ یہ کون سی زبان میں بات کر رہے ہیں۔"

" سرکاری بھاشا ہے " کلغی والے گیدڑ نے کہا " آج کے بعد اس جنگل میں یہی بھاشا چلے گی ! "

مگر گیدڑ کو معلوم تھا کہ جب تک جنگل میں شیر موجود ہے ہاتھیوں پر حملے کرتا رہے گا۔ اس کی حکومت نہیں چلے گی، اس لیے اس نے شیر سے یارانہ گانٹھا اور ادھر کالے ہاتھیوں کو اکٹھا کرا نہیں ایک جگہ چھپ جانے کو کہا۔ گیدڑ شیر کو بہلا پھسلا کر ایک دلدل کے پاس لے آیا! اس دلدل کے اوپر لانبی لانبی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ گیدڑ نے شیر کو بتایا کہ اس لانبی لانبی گھاس کے اندر آگے جا کے ایک ڈھلوان پر بارہ سنگھا پانی پی رہا ہے۔

شیر ایک قدم آگے گیا بولا "کدھر ہے بارہ سنگھا؟"

"ذرا اور آگے جائیے" گیدڑ بولا۔

شیر اور ذرا آگے گیا۔ اس کے قدم دلدل میں ذرا سے گھسے۔ وہ بولا "کہاں ہے بارہ سنگھا"

گیدڑ نے کہا "تھوڑا سا اور آگے جائیے"

اب شیر گھٹنوں تک دلدل میں چلا گیا تھا۔ مگر چونکہ بارہ سنگھے کا گوشت بہت پسند تھا اور ہاتھی کا گوشت کھا کھا کے وہ تنگ آ چکا تھا اس لئے اس نے ہمت کر کے ایک جست اور لگائی اور سیدھا دلدل میں جا گھسا۔ اب کیچڑ اس کی کمر تک آ گیا تھا اور اب کوشش کر کے بھی وہ اس دلدل سے باہر نہ نکل سکتا تھا۔ شیر کی یہ حالت دیکھ کر گیدڑ نے ہاتھیوں کو دلدل کے کنارے بلایا اور بولا "دیکھو۔ تمہاری مدد کے بغیر ہی میں نے شیر کو دلدل میں اُتار دیا ہے جس میں سے وہ زندہ باہر نہیں نکل سکتا۔ پھر بھی اگر تم چاہتے ہو، اسے پتھر مار مار کر جان سے مار سکتے ہو۔ ویسے میں کسی کی جان لینے کے

حق میں نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے" کالے ہاتھیوں نے اپنے راجہ کی بات مان کے کہا " اسے یہیں پڑا رہنے دو۔ خود بخود بھوک پیاس سے مرجائے گا۔"

اور یہ ہی ہوا۔ چند دنوں کے بعد شیر خود بخود اس دلدل میں پھنسا پھنسا بھوک پیاس سے مرگیا۔ اِدھر گیدڑ نے موقع پا کے کالے ہاتھیوں کو اُکسایا اور انہوں نے اپنے پُرانے راجہ یعنی کابل سفید ہاتھی پر حملہ کردیا اور اسے شاہی محل سے باہر نکال دیا اور اسے دھکیلتے ہوئے جنگل کے باہر چھوڑ آئے اور اس سے کہہ دیا کہ اگر اس نے پھر کبھی جنگل کا رُخ کیا تو اس کی ہڈی ہڈی توڑ دی جائے گی۔

سفید ہاتھی کو اس بات پر بڑا غصّہ آیا کہ ایک گیدڑ نے اسے شاہی محل سے نکلوادیا اور خود راجہ بن بیٹھا۔ نہ صرف ہاتھیوں کا بلکہ سارے جنگل کا۔ وہ دو ایک دن جنگل سے باہر موقع کی تاک میں رہا کیوں کہ ہاتھی میں انتقام کا جذبہ بہت ہوتا ہے۔ آخر ایک روز اُسے گیدڑ جنگل کے کنارے

چہل قدمی کرتا ہوا مل گیا۔ سفید ہاتھی نے چنگھاڑ کر گیدڑ پر حملہ کر دیا اور اسے یک لخت اپنی سونڈ میں اوپر اٹھا لیا اور بولا "بول اب پٹخ دوں تجھے زمین پر اور اپنا پاؤں رکھ کر نکال دوں تیرا کچومر کس ؟"

"رحم! رحم!" گیدڑ گڑگڑایا۔

"تو جانتا ہے" سفید ہاتھی نے نفرت سے اس کی طرف دیکھ کے کہا "تو نے اپنی چالاکی سے میرا تاج و تخت مجھ سے چھین لیا ہے۔ میرا جنگل کا راج!"

گیدڑ نے رو رو کر کہا "مجھ سے قصور ہوا عالی جاہ! اب کبھی ایسا قصور نہیں ہوگا مجھے چھوڑ دو میں تمہیں اس جنگل کے بدلے سات سمندروں کا راجہ بنا دوں گا"

"وہ کیسے" سفید ہاتھی نے پوچھا۔

گیدڑ بولا "سمندر پر وہیل مچھلی کا راج ہے۔ جو شخص بھی وہیل مچھلی پر فتح پائے گا وہ سمندر کا راجہ کہلائے گا۔"

سفید ہاتھی بولا "مگر میں کیسے وہیل پر فتح پا سکتا ہوں، میں تو تیر بھی نہیں سکتا۔"

گیدڑ نے کہا "عالی جاہ۔ آپ کو تیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی بہانے سے ڈہیل مچھلی کو سمندر کے کنارے بلالاؤں گا۔ بس آپ اپنی اس طاقت ور سونڈ سے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیجئے گا، وہ لوٹ کر مر جائے گی اور آپ اسی وقت نہ صرف اس جنگل بلکہ ساتوں سمندروں کے بادشاہ بن جائیں گے اور آفتاب کبھی آپ کی حکومت میں غروب نہیں ہوگا۔"

"پھر تم کیا کروگے؟" سفید ہاتھی نے گیدڑ سے پوچھا۔

"میرا کیا ہے" گیدڑ نے آہ سرد بھر کے کہا "میں اس دنیا سے اُکتا چکا ہوں۔ میں سنیاس لے کے کہیں چلا جاؤں گا۔ آپ مزے میں راج کیجئے۔"

ہاتھی نے گیدڑ کو اپنی سونڈ سے اچھی طرح پکڑ لیا اور بولا "چلو سمندر کے کنارے ابھی چلو اور ڈہیل مچھلی کو ابھی بلاؤ۔"

ہاتھی کا خیال تھا کہ جیسے ندی کی مچھلیاں ہوتی ہیں ایسے ہی ڈہیل مچھلی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ ہوگی تو دریا کی مچھلیوں سے چار چھ گُنا بڑی ہوگی اسے تو وہ پاؤں کی ایک ہی ٹھوکر سے ختم کردے گا۔ اُدھر گیدڑ کا کچھ اور ہی خیال

تھا۔ گیدڑ نے ہاتھی کو سمندر کے کنارے لے جا کے کھڑا کر دیا اور سمندر کی طرف موہنہ کر کے آواز دینے لگا۔

دہیل وہیل پانی کی ریل
سفید ہاتھی آتا ہے
تجھ سے لڑائی چاہتا ہے

سمندر کی لہروں میں ایک طوفان سا پیدا ہوا اور ایک جہاز نما کالی مورت لہروں پر تیرتی ہوئی دکھائی دی اور چیخ چیخ کر بولی:

میں ہوں وہیل رانی کون کرے آنا کانی
کھا جاؤں اس کو کچا
کدھر ہے ہاتھی کا بچہ

ادھر سفید ہاتھی ساحل پر کھڑے چنگھاڑا۔ اُدھر پانی میں وہیل نے زور سے دھاڑا۔ اِدھر ہاتھی نے اس زور سے ساحل کی ریت پر پاؤں مارے کہ دُور دُور تک ریت کی آندھی اُڑنے لگی۔ اُدھر وہیل نے

اپنے موہنہ میں پانی بھر کر اتنے زور سے اوپر اُچھالا کہ ہزاروں فٹ تک پانی کا فوارہ بنتا چلا گیا۔ وہیل ساحل کے قریب آتی گئی۔ سفید ہاتھی بھی غصہ میں آکر پانی میں گھُس گیا۔ وہیل اور قریب آگئی۔ ہاتھی اور اندر پانی میں گھُس گیا۔ وہیل کو اور قریب آتے دیکھ کر ہاتھی نے اسے پکڑنے کے لئے اپنا سونڈ اوپر اٹھایا کہ وہیل نے اپنا جہاز نما موہنہ کھولا اور اس زور کا سانس اندر کو لیا کہ ہاتھی معہ اپنی سونڈ اور چاروں پاؤں کے غڑاپ سے وہیل کے موہنہ میں داخل ہو گیا۔

ہاتھی کو نگل کر وہیل مچھلی نے سمندر میں ایک غوطہ لگایا اور پانی کے اندر چلی گئی۔

کنارے پر کھڑے گیدڑ نے خوشی سے قہقہہ لگایا اور جنگل کو واپس ہو گیا۔ اب اُسے کسی کا ڈر نہ تھا۔ جنگل میں اب سفید ہاتھی رہا تھا نہ شیر۔ اب وہ اکیلا ہی سارے جنگل کا راجہ تھا۔

اُدھر وہیل مچھلی نے ہاتھی کو نگل تو کر دیا تھا مگر اتنی بڑی مچھلی اس نے آج تک کبھی نہ کھائی تھی۔ اس لئے اسے ہضم کرنے میں وہیل کو بڑی

مشکل ہو رہی تھی۔ وہیل مچھلی کے اندر پہنچ کر ہاتھی نے دیکھا جیسے وہ کسی بہت بڑے غار میں پہنچ گیا ہے۔ اس نے چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ وہ اپنی سونڈ سے وہیل کی بڑی بڑی ستونوں کی طرح موٹی موٹی آنتوں کو پکڑتا اور انہیں جھنجوڑتا۔ اتنے زور سے کہ وہیل مچھلی کو اپنے پیٹ میں بہت ہی درد محسوس ہونے لگا۔ وہ دور تک سمندر کے پانی میں تیرتی چلی گئی مگر ہاتھی اپنی جان کے لئے اس سے لڑتا رہا، ہاتھ پاؤں مارتا رہا، چنگھاڑتا رہا۔ وہیل کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے پیٹ میں زور زور سے اُچھل رہا ہے اور اس کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کئے ڈالتا ہے۔ آخرکار وہیل درد سے بے تاب ہو کے واپس ساحل کی طرف آئی اور اس نے قے کر کے سفید ہاتھی کو ساحل پر اُگل دیا اور واپس بحرِ بنگال کے گہرے پانی میں چلی گئی اور اس نے طے کر لیا کہ اب وہ کبھی خشکی کے جانوروں کو نہیں کھائے گی۔ کم بخت پیٹ میں درد پیدا کر دیتے ہیں۔"

موٹی مچھلی نے یہ کہانی سنا کے لنگڑا خان سے کہا "اب اگر تم مجھے کھالو گے تو تمہارا بھی وہیل مچھلی کا سا حال ہوگا بلکہ اُس سے بھی بُرا۔ کیوں کہ میرا نام گندھک

مچھلی ہے۔ میرے اندر گندھک کا ایک شیافہ رکھا ہے، جوں ہی تم مجھے کھاؤ گے
یہ شیافہ پھٹ جائے گا، اور تمہارا پیٹ بھی پھٹ جائے گا۔"
"او خو، ام کو ایسا مچھلی کھانا نہیں مانگتا، جاؤ ام نے تم کو معاف کیا" کیکڑا خان
نے مچھلی کو جانے دیا اور کچھوے سے کہا "خو، اب تم اس اُلّو کو ہمارے بھائی اجگر
کے پاس لے جاؤ جو سامنے کے جہاز کے اندر رہتا ہے۔ یہ ملاقات کرانا ضروری ہے"
کچھوے نے ڈرتے ہوئے جہاز کے فرش پر رینگتے ہوئے کہا "ابے اُلّو میرے
پیچھے پیچھے آ۔ مگر دیکھ۔ اجگر سے کچھ حاصل کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تو
چُن مُن مچھلی کو خوش کرے ورنہ اجگر تجھے کھا جائے گا۔"
"یہ چُن مُن مچھلی کون ہے؟" اُلّو نے پوچھا۔
کچھوے نے ڈوبے ہوئے جہاز میں کپتان کے کیبن پر کھٹ کھٹ کرتے ہوئے
اس سے سرگوشی میں کہا "چُن مُن مچھلی کون ہے یہ تو ابھی دیکھ لے گا" اتنا کہہ کر
پھر اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک باریک سُریلی اور نہایت
ہی پیاری آواز میں کسی نے پوچھا "کون ہے؟"

کچھوے نے اس سُریلی آواز کو سن کر کہا "میں کچھوا ہوں۔"

وہ سریلی آواز اندر سے بولی "چلے جاؤ۔ ہمارے اجگر مہاراج کچھوے نہیں کھاتے۔"

کچھوے نے ذرا بے صبری سے کہا "چُن مُن دروازہ کھولو جلدی سے۔ ایک مسافر آیا ہے، اجگر مہاراج سے ملنا چاہتا ہے۔"

یہ سُریلی آواز چُن مُن مچھلی کی تھی جو کیبن کے اندر ایک پنجرے میں بیٹھی ہوئی بول رہی تھی۔ کچھوے کی بات سن کر کیبن کا دروازہ آہستہ سے کھل گیا۔ کچھوے نے اُلّو کو اندر دھکیلا اور جلدی سے خود بھاگ گیا۔ الّو ڈرتے ڈرتے کیبن کے اندر داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر چُن مُن مچھلی پر پڑی جس کا رنگ سونے کا سا تھا اور جو ایک خوب صورت پنجرے میں بند تیر رہی

تھی۔ پھر اس کی نظر کیبن کے ایک کونے میں گئی جہاں اسے ایک چھوڑ سینکڑوں اُلّو نظر آئے۔ بالکل اپنی طرح کے اُلّو۔ اتنی مدّت کے بعد اپنے اتنے سارے ساتھیوں کو دیکھ کر اُلّو کے مونہہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی اور وہ اپنے ساتھیوں سے ملنے کے لئے بے تاب ہو کر اُس کونے کی طرف بھاگا۔

لیکن اس کونے میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے نہیں مل رہا ہے بلکہ بُری طرح ایک خوف ناک اجگر کی لپیٹ میں آگیا ہے" کالی چڑیا کہانی سناتے سناتے بولی۔

اجگر پھنکار کر بولا" اچھا تو میں خوف ناک ہوں! اسی بات پر کھا جاؤں تجھ کو۔"

"کھالو۔ میرا کیا ہے۔ کہانی ادھوری رہ جائے گی زیادہ سے زیادہ اور کیا ہوگا"

"اچھا۔ چلو، چلو۔ آگے سناؤ" اجگر نے اپنا ارادہ بدل کے کہا" تم مجھے اس اُلّو اور اجگر کی کہانی سنا دو۔ اس کے بعد تمہیں سچ مچ کھا جاؤں گا۔"

کالی چڑیا نے لاپروائی سے اپنا سر ہلایا اور بولی "اُلّو آخر اُلّو ہی تھا۔ میری طرح کوئی سمجھ دار چڑیا تھوڑی تھا۔ بہت جلد گھبرا گیا۔"

"مگر وہ جہاز والا اجگر کہاں گیا، میرا بھائی" اجگر نے چڑیا سے پوچھا۔

"ارے بے وقوف!" کالی چڑیا نے اژدہے سے کہا "وہ اجگر ہی تو تھا جس نے اُلّو کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔"

"مگر تم تو کہتی ہو اُلّو کو اس کونے میں اپنے ساتھی نظر آ رہے تھے۔"

چڑیا نے بات کاٹ کے کہا "تم سچ مچ بالکل احمق ہو۔ ارے بدھو، وہ اجگر آئینے کے چھلکوں کا بنا ہوا تھا۔ تمہاری طرح بدبودار گوشت پوست کا بنا ہوا نہیں تھا۔ اسی لئے جس کونے میں وہ بیٹھا تھا ادھر جب اُلّو نے دیکھا تو اسے آئینے کے چھلکوں میں اُلّو ہی نظر آئے۔ اور وہ بے چارہ بھاگتا ہوا ادھر چلا گیا۔ اور۔"

اجگر نے حیرت اور خوشی سے چلّا کر کہا "یہ بات ہوئی نا! اپنے کو بھی اگر ایسا ہی آئینہ والا جسم مل جائے تو شکار ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ بس ایک کونے میں پڑے رہیں۔ جو جانور آئے اپنی صورت دیکھ کر دھوکا کھا جائے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر اجگر نے چڑیا سے بڑی حسرت

سے پوچھا "تُو تو بڑی عقل مند چڑیا ہے۔ بتا کیا کوئی ایسی ترکیب ہے جس سے مجھے بھی ایسا آئینے کے چھلکوں والا جسم مل جائے؟"

چڑیا نے کہا "کہانی ختم کر لوں۔ پھر بتاؤں گی!"

اجگر چُپ ہو گیا اور اپنا سر چڑیا کے قریب رکھ کر کہانی سننے لگا۔

چڑیا بولی "اُلّو کو اپنی لپیٹ میں لے کر آئینے کے چھلکوں والا اجگر خوشی سے پھنکارا اور عن قریب تھا کہ وہ اُلّو کو ایک ہی لقمے میں نگل جاتا کہ اتنے میں وہ خوش الحان مچھلی جس کا نام چُن مُن تھا اپنے پنجرے میں سے بولی "ارے ہے۔ تمہیں کیا ہوا ہے۔ اتنے نذیدے ہو رہے ہو۔ ارے کھانے سے پہلے بے چارے غریب سے پوچھ تو لو کہ یہاں کیوں آیا تھا۔"

آئینے کے چھلکوں والا اجگر بولا "پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ڈوبے ہوئے جہاز کا خزانہ ڈھونڈنے آیا ہوگا۔ جسے حاصل کرنے کے لئے اب تک سینکڑوں سال سے سینکڑوں غوطہ خور یہاں تک آ چکے ہیں۔"

اتنا کہہ کر اجگر نے پھر زور سے پھنکارا۔ اور اس پھنکار سے کیبن کے اندر کا دروازہ

کھُل گیا۔ اُلّو نے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا تو اسے دروازے کے اندر سونے کی اشرفیوں اور لعل و جواہر کا ایک بیش قیمت خزانہ نظر آیا۔ موتی، ہیرے نیلم، پکھراج، یاقوت، فیروزے، پنّے، لعلِ بدخشاں جگ مگ کر رہے تھے۔ اور اب وہ سب کے سب اجگر کے جسم پر چمک رہے تھے اس طرح کہ اب اجگر کا جسم خود ایک ہیروں اور جواہرات کا انبار معلوم ہوتا تھا۔

اجگر نے ہنس کے کہا "جب غوطہ خور اس خزانے کو ڈھونڈتے ہوئے یہاں آتے ہیں تو میں خزانے کا دروازہ کھول دیتا ہوں تو یہ لعل و جواہر میرے جسم پر چمکنے لگتے ہیں اور غوطہ خور لالچ میں آکر خود مجھے خزانہ سمجھ کر مجھ پر ہاتھ مارنے لگتے ہیں۔ اس وقت میں انہیں پکڑ لیتا ہوں۔ ہا ہا ہا! بعد میں انہیں پتہ چلتا ہے کہ میں خزانہ نہیں ہوں خزانے کا عکس ہوں۔ خود ان کے لالچ کا عکس ہوں۔ خزانے کا سانپ ہوں۔ وہ کبھی خزانے تک پہنچ نہیں سکتے، جو لالچ کرتے ہیں!" اتنا کہہ کر اجگر نے اُلّو کو لپیٹ کر ذرا کس دیا۔ الّو کی دو ایک ہڈیاں چٹخ گئیں۔ مگر اس کے باوجود بولا "میں

نے لالچ نہیں عشق کیا ہے!"

"اے عشق کہیں لے چل!" پنجرے میں تیرتی ہوئی چُن مُن گنگنائی پھر بولی "وہ دلیپ کمار کی پکچر داغ ابھی تک ریوالی میں چل رہی ہے؟"

اُلّو نے کہا "جس درخت پر میں رہتا تھا اس کے نیچے ریوالی کا منیجر ایک روز اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔ یار! اگر دو ہفتے تک کوئی اور فلم نہ لگی تو ہماری 'داغ' سلور جوبلی منالے گی۔"

چُن مُن گانے لگی "محبت کے انداز دیکھو! محبت تیرا شکریہ۔ محبت کر کے بھی دیکھا۔"

اُلّو نے حیران ہو کے پوچھا "تم تو سمندر کے اندر رہتی ہو۔ تمہیں اتنے سارے فلمی گانے کیسے یاد ہیں؟"

چُن مُن ہنس کے بولی "بہت سے فلم میں کام کرنے والے ایکسٹرا بھائی بے کاری سے تنگ آ کر سمندر میں ڈوبنے آتے ہیں۔ کچھ گانے ان سے سیکھے تھے۔ پھر ایک روز ایک فلمی شاعر بیکل بناری خودکشی کر کے یہاں آ گیا تھا۔

بہت سے گانے اس سے سیکھے۔ ایسے گانے بھی جو ابھی تک کسی فلم میں نہیں آئے۔ اگر آتے تو ہِٹ ہو جاتے"

"ہِٹ کا کیا مطلب ؟" اُلّو نے پوچھا۔

"یعنی سمندر کی مچھلیاں اور خشکی کے اُلّو بھی انہیں گانے لگتے!" چُن مُن نے فوراً جواب دیا۔ اُلّو جواب سُن کر چُپ ہو گیا۔ چُن مُن نے پوچھا "تمہیں بیگل بنارسی کا کوئی گانا سناؤں ؟"

اجگر نے خوش ہو کے کہا "میری چُن مُن تا سے بھی اچھا گاتی ہے"

چُن مُن گانے لگی،

ایک دن ،	ایک دوپہر،	ایک شام
رام	رام	رام

میرے دل میں رام ہے آنکھوں میں شام ہے

سینے میں دوپہر ہے

قہر ہے	قہر ہے	قہر ہے

قہر والی رات ہے۔ پہلی ملاقات ہے۔ پہلی ملاقات ہے

چُن من نے گیت سُنا کے ایک آہ بھری اور کہا "بڑا اچھا شاعر تھا۔"

اُلّو نے کہا "سب ہی اچھے شاعر فلموں میں آکر یہی کرتے ہیں۔"

"کیا؟"

"خودکشی!" اُلّو نے مایوسی سے سر ہلا کے کہا۔

اژدگر کچھ یاد کرتے ہوئے بولا "جب سے میں نے بیجل بناری کو کھایا ہے، مجھے بھی فلمی گانے سمجھ میں آنے لگے ہیں۔"

چُن من بولی "اب اس اُلّو کو کھاؤ گے تو گیان دھیان کے چاروں طبق تم پر روشن ہو جائیں گے۔"

یہ سنتے ہی اژدگر کا دھیان اُلّو کی طرف گیا۔ اور اس نے کنس کے اُلّو کو لپیٹا اور اسے کھانے کے لئے اپنا موہنہ کھولا کہ چن من نے کہا۔ "اسے کھانے سے پہلے اس سے پوچھ تو لو یہ آخر یہاں کیوں آیا ہے؟" اُلّو نے اپنی رام کہانی سنائی۔ چُن مُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بولی "تو تم جل پری
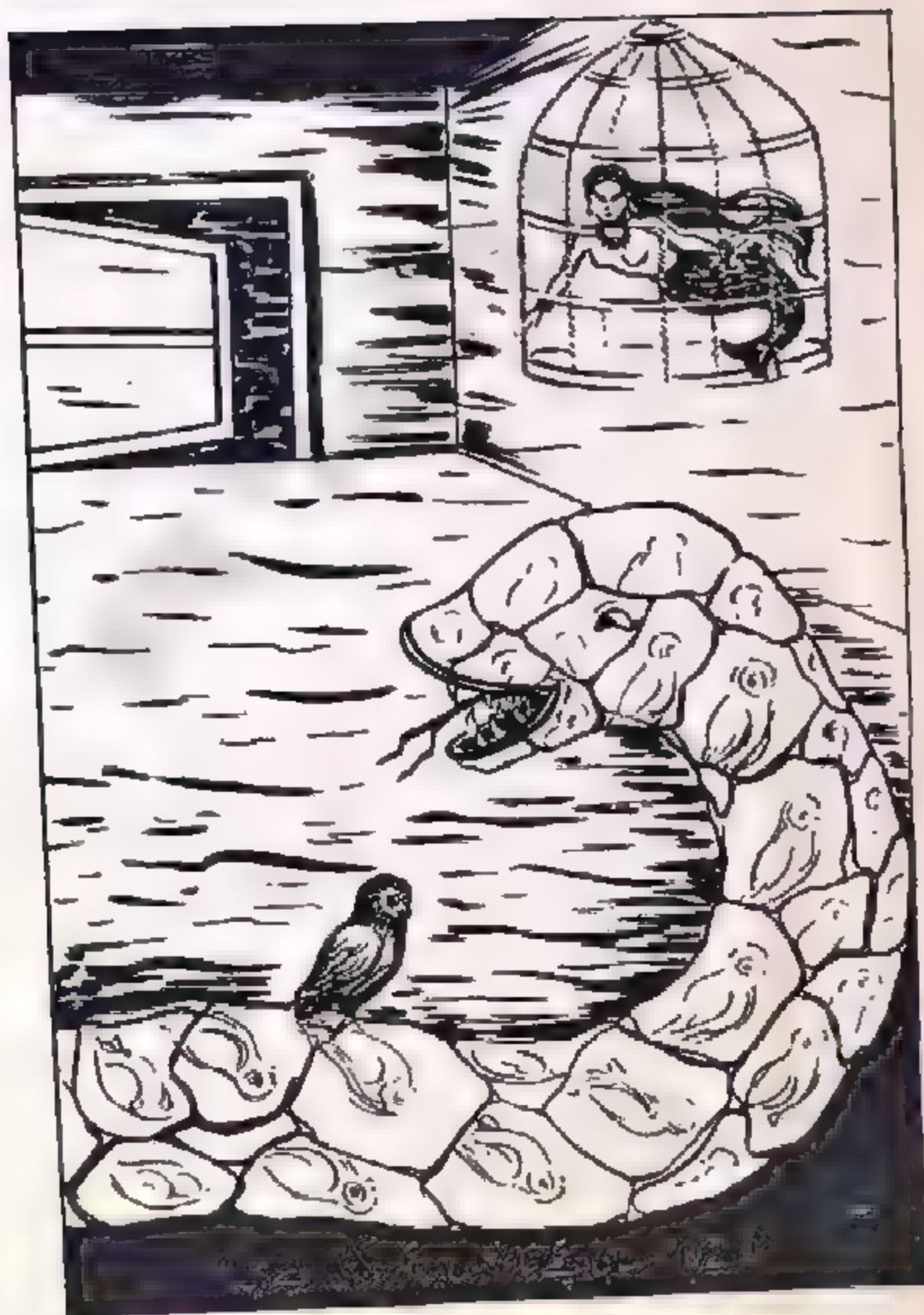
کے پاس جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں" اُلّو نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

چن من نے کہا "اس کے لئے تمہیں کام کرنا ہوگا"

اُلّو بولا "مجھے تو کوئی کام کرنا نہیں آتا سوائے رام نام جپنے کے۔"

"صرف رام نام جپنے سے کیا ہوگا۔ کچھ کام بھی تو کرنا پڑے گا نا!"

"مگر مجھے تو کوئی کام نہیں آتا" اس نے پھر بڑی سادگی سے کہا۔

چُن مُن بولی "اس معاملے میں یہ اُلّو بھی بالکل اس کام چور مور کی طرح ہے۔"

آئینے والے اجگر نے پوچھا "وہ قصہ کس طرح ہے؟"

چُن مُن ہنسی۔ ایک بار اپنے پنجرے میں لہرا کے تیری۔ پھر اس نے قصہ سنانا شروع کیا۔

قصہ کام چور مور کا

"بہت دن ہوئے بنارس کے قریب ایک گاؤں میں ایک

مور رہتا تھا۔ اُس زمانے میں موروں کے سر پر کلغی نہیں ہوتی تھی نہ ان کی دُم میں ایسے خوب صورت پنکھ لگے ہوتے تھے۔ اُس زمانے کے مور بڑے بدصورت ہوتے تھے۔ اونچی لانبی پتلی سی گردن۔ لمبی بدصورت سی چونچ، پاؤں بے ڈول، چال بے ڈھنگی، آواز کڑوی اور کرخت، کوئی بات تو اچھی نہ تھی مور میں۔ اُس زمانے میں جنگل کے جتنے جانور تھے وہ سب مور کو دیکھ کر ہنسا کرتے تھے۔

ایک روز جنگل کی ندی کے کنارے بہت سے جانور اور پرندے جمع تھے اتنے میں مور اپنی بے ڈھنگی سی چال سے چلتا ہوا آیا۔ جتنے جانور اس وقت وہاں موجود تھے اُسے دیکھ کر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔

شیر نے کہا "ابے مورو! تیری چال تو سچ مچ بطخ سے بھی بُری ہے اور رفتار کچھوے سے بھی سست ہے۔"

"بے شک، بے شک" گیدڑ ہاتھ جوڑ کے بولا۔

بطخ نے کہا "مگر جہاں پناہ، مجھے پانی میں تیرتے ہوئے دیکھئے کیسی

خوشنا لگتی ہوں۔ یہ کم بخت مور تو تیر بھی نہیں سکتا۔"

کچھوے نے کہا "زمین پر میری رفتار سست ہے مگر پانی کے اندر مجھے گھومتے ہوئے دیکھئے صاحب!"

بندر چیخ کر بولا "مگر یہ مور ہے کس کام کا؟ یہ نہ میری طرح اُچک سکتا ہے نہ پھاند سکتا ہے۔ نہ ڈال ڈال دُم سے لٹک سکتا ہے۔"

"ارے اس کی دُم تو ہے ہی نہیں" گلہری اپنی پیاری سی دُم کی طرف غرور سے دیکھ کر بولی۔

"اور یہ کیڑے کھاتا ہے" ایک خوب صورت سی طوطی اپنی لال لال چونچ سے سیب کترتے ہوئے بولی۔

"سچ مچ؟" ایک لومڑی اپنی چاندی کی سمور کو زبان سے چاٹ کر مور کی طرف حسرت سے دیکھ کر بولی "ہائے کس قدر گندہ جانور ہے یہ ــــ مجھے تو اسے دیکھ کر متلی آنے لگی ہے۔"

ریچھ نے غراتے ہوئے کہا "میرے خیال میں اسے جنگل سے باہر نکال

دینا چاہئے۔"

"بے شک، بے شک" گیدڑ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

مور نے بہتیری خوشامد کی۔ منّت سماجت کی کہ اسے جنگل سے باہر نہ نکالا جائے۔ مگر جنگل کے جانور اور پرندے نہیں مانے اور پھر جب شیر نے حکم دے دیا تو مور میں کہاں یہ ہمّت تھی کہ شیر کا مقابلہ کرتا۔ اپنا سر جھکائے ہوئے ہولے ہولے چلتا ہوا جنگل سے باہر چلا گیا اور بنارس کے قریب ایک گاؤں میں رہنے لگا۔ جہاں ایک کمہار نے اس کی حالت پر ترس کھا کر اسے اپنے یہاں رکھ لیا۔ اس کمہار کو جانور پالنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے گھر میں ایک کتّا تھا، ایک بلّی تھی، ایک مینا تھی، ایک مرغا تھا اور ایک گدھا تھا۔ اب ایک مور بھی آگیا۔

کمہار کی بیوی پہلے تو بہت چیخی چلّائی۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کمہار کا گھر ہے کہ چڑیا گھر ہے۔ یہ تم کس بدصورت جانور کو میرے گھر لے آئے۔ کمہار نے کہا "جانے دے نیک بخت، یہ بے چارہ ایک غریب مور ہے

مجھے جنگل کے کنارے جب میں مٹّی لانے گیا تھا، ملا تھا۔ بے چارہ بھوکا مر رہا تھا۔ اس نے مجھ سے پناہ مانگی۔ میں نے ہاں کر دی۔ اب پناہ میں آئے ہوئے جانور کو کون انکار کر سکتا ہے۔ تو ہی بتا۔"

اُس زمانے میں جانور آدمیوں کی بات سمجھتے تھے، اور آدمی جانوروں کی۔ آج کل کوئی کسی کی بات نہیں سمجھتا ہے۔ آج کل باپ بیٹے کی اور بیٹا باپ کی بات نہیں سُنتا ہے، جانوروں کی بات تو الگ رہی۔ جب کمہار اپنی بیوی کو سمجھا رہا تھا مور اپنی ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے کمہار کی بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمہار کی بیوی کے دل میں رحم آ گیا۔ اُس نے مور کو اپنے گھر رکھ لیا۔

تھوڑے دن تک تو مور کمہار کے گھر میں چین سے رہا۔ پھر جھگڑا شروع ہو گیا۔ گدھے نے کمہار سے کہا "یہ مور اس گھر میں کیا کام کرتا ہے۔ خالی بیٹھا بیٹھا کھاتا ہے۔ مجھے دیکھو، صبح سے شام تک گدھے کی طرح کام کرتا ہوں کیوں کہ ہوں بھی گدھا۔ مٹّی ڈھوتا ہوں۔ جنگل سے لکڑیاں اُٹھا کے لاتا

ہوں۔ اپنی پیٹھ پر برتن لاد کر بازار بیچنے کے لئے لے جاتا ہوں۔ مگر یہ مور کیا کام کرتا ہے۔"

کتے نے اپنے مالک سے کہا "دن بھر میں چوکی داری کرتا ہوں۔ راتوں کو جاگتا ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے گھر میں کوئی چور نہیں آسکتا۔ اور پڑا پڑا یہ مور مزے سے کھایا کرتا ہے۔ کیوں؟"

بلّی بولی "میں چوہے پکڑتی ہوں۔ گھر کو چھچھوندروں سے صاف رکھتی ہوں نہیں تو گھر میں کھانے کی ایک چیز نہ بچے۔ اس کے بعد کہیں مجھے روٹی کا ایک ٹکڑا نصیب ہوتا ہے۔ مگر یہ مردوا نکھٹو مور نہ کام کرے نہ مرے۔ بس آرام سے کھا کھا کر موٹا ہوتا جا رہا ہے۔"

مرغا بولا "میں گھر کا کلاک ہوں۔ میں گھر بھر کو صبح سویرے جگا کر کام پر لگا دیتا ہوں۔ میں یہ کام نہ کروں تو لوگ دن بھر آرام سے سوتے رہیں۔ اور کام سے غافل رہ جائیں۔ صبح شام ککڑوں کوں، ککڑوں کوں کر کے چلاتا ہوں جب مکا کے دو دانے نصیب ہوتے ہیں۔"

مینا پنجرے سے چہک کر بولی "اور میں مالکن دن بھر تجھے میٹھے میٹھے گانے سناتی ہوں۔ جب تُو کام میں ہوتی ہے یا آرام کرتی ہے میں ہر وقت تجھے سُریلے گیت سنا سنا کر تیرا جی بہلاتی ہوں۔ مگر یہ مورا کیا کرتا ہے۔"

"کیوں مور۔ تم دن بھر کیا کرتے ہو؟" کمہار نے مور سے پوچھا۔

مور نے شرم سے گردن جُھکالی۔ بولا "جی کچھ نہیں۔"

"تو پھر کوئی کام کیوں نہیں کرتے" کمہارن چیخ کر بولی۔ "اس گھر میں جو کام کرے گا اسے روٹی ملے گی۔ یہ گھر نکھٹوؤں کے لئے نہیں ہے۔ بولو تم کیا کام کروگے۔"

مور نے آہستہ سے کہا "جی میں کیا کروں۔ مجھے تو کوئی کام ہی نہیں آتا۔"

"تو پھر نکل جاؤ اس گھر سے" کمہارن نے انگلی اٹھا کے اشارے سے مور کو گھر کا دروازہ دکھاتے ہوئے کہا۔

مور نے کمہار کی طرف دیکھا۔ مینا کی طرف دیکھا۔ گدھے کی طرف دیکھا۔ کتے کی طرف دیکھا۔ بلی کی طرف دیکھا۔ بلّی نے کہا "میاؤں میاؤں" مرغ نے

کہا "کگڑوں کوں"۔ گدھا بولا "ڈھینچوں، ڈھینچوں"۔ مینا بولی "چرخ چوں"
کتے نے اپنا شیر سا مونہہ کھول کر کہا "واؤف! واؤف!" اور مور بے چارہ
گھبرا کے گھر سے باہر نکل گیا۔

مور گھر سے باہر تو نکل گیا مگر اب سوچنے لگا۔ میں جاؤں کہاں؟
جنگل میں کہیں جا نہیں سکتا وہاں سے مجھے دیس نکالا مل چکا ہے۔ گاؤں
میں نہیں جا سکتا۔ وہاں کمہار کا کتا مجھے مار ڈالے گا۔ پھر اب میں جاؤں
تو جاؤں کہاں۔

یہی سوچتا سوچتا مور گاؤں سے باہر آ گیا۔ گاؤں سے باہر اور جنگل سے باہر
بیچ میں پیپل کا ایک پرانا درخت کھڑا تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں
پر بھوت رہتے ہیں۔ اس لئے نہ گاؤں والے نہ جنگل کے جانور ڈر کے
مارے اُدھر کا رُخ کرتے تھے۔ مجبور ہو کر مور نے ادھر کا ہی راستہ لیا۔
اور پیپل کے پیڑ کی ایک شاخ پر آ کے پڑ رہا۔ مور نے بھی سن رکھا تھا کہ
اس پیڑ پر بھوت رہتے ہیں۔ مگر اس نے سوچا کہ مرنا تو یوں بھی ہے اور یوں

بھی۔ اب بھوت آئیں گے تو دیکھا جائے گا۔ کوئی آدھی رات کا وقت تھا۔ مور اپنے پر سمیٹے آرام سے سو رہا تھا کہ اس کے کانوں میں ایک گرجتی ہوئی آواز آئی "اے مور۔ اے مور"

مور گھبرا کر چیخا "بھوت! بھوت!!" مور بھاگنے ہی کو تھا کہ کسی نے اسے نہایت نرم لہجے میں پکارا "میاں مور۔ یہاں کوئی بھوت نہیں ہے۔ یہ میں ہوں۔"

"پھر تم کون ہو؟" مور نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں ہوں پیپل کا درخت۔"

اُس زمانے میں جس زمانے کا میں ذکر کر رہا ہوں درخت بھی باتیں کرتے تھے۔ وہ آج بھی کرتے ہیں۔ اور اکثر بڑی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ آج کل درختوں کی باتوں پر دھیان نہیں دیتے۔ ورنہ زندگی کی بہت سی تکلیفیں حل ہو جائیں۔

مور نے جب یہ جانا کہ کوئی بھوت نہیں پیپل کا پیڑ بول رہا ہے تو

اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے آہستہ سے کہا "میں نے تو بھوت سمجھا تھا۔ لوگ کہتے ہیں . . . ."

پیپل کے پیڑ نے اس کی بات کاٹ کے کہا "لوگوں کو کہنے دو۔ اصل میں بھوت کہیں کوئی نہیں ہے۔ میں ذرا فلاسفر قسم کا پیڑ ہوں۔ سوچنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ لوگ مجھے یہاں آ کے بہت پریشان کرتے تھے۔ اس لئے میں نے مشہور کر دیا کہ میں نے بہت سے خطرناک قسم کے بھوت پال رکھے ہیں اس لئے اب لوگ میرے قریب آتے ہوئے ڈرتے ہیں بلکہ بہت سے تو میری پوجا کرتے ہیں۔ اس سے اب مجھے سوچنے کے لئے وقت مل جاتا ہے۔"

"تو کیا سوچتے ہو؟" مور نے بڑی دل چسپی سے پوچھا۔

"یہی زندگی کی اُلجھنوں کے بارے میں۔"

"ایک اُلجھن میری بھی ہے۔"

"کیا؟"

مور نے اپنی زندگی کی ساری کہانی سنائی۔

پیپل کے پیڑ نے ساری کہانی سُن کر اس سے کہا "میاں مور تمہاری الجھن صرف ایک ہے۔ تم کوئی کام نہیں کرتے۔ کیوں نہیں تم کوئی کام کرتے پھر تمہاری ساری تکلیفیں دُور ہو جائیں گی۔"

"میں کیا کام کروں۔ مجھے تو کوئی کام آتا ہی نہیں۔"

"نہیں آتا تو سیکھو۔"

"کیا سیکھوں؟"

"ارے بھائی کچھ بھی سیکھو۔ کام کئے بِنا آدمی نہ جنگل میں رہ سکتا ہے نہ گاؤں میں" پیپل کے پیڑ نے ذرا سختی سے کہا۔

مور چُپ ہو گیا۔ وہ دراصل بڑا سُست جانور تھا۔ سُست اور کاہل اور نکما۔ وہ دن بھر پیپل کے پیڑ پر سویا رہتا۔ یا کبھی کبھی زمین کے سوراخوں میں سے کیڑے نکال کے کھانے کے لئے چلا جاتا اور دن بھر اُونگھتا رہتا۔ اس نے پیپل کی بات نہیں مانی۔ پیپل کے پیڑ نے بھی اس سے بات کرنی چھوڑ دی۔

پیپل کے پیڑ نے تختی سے کہا "کچھ کام سیکھو، تمھاری سب تکلیفیں دور ہو جائیں گی۔"

بہت دن گزر گئے۔ مہینے گزر گئے۔ سال گزر گئے۔ ایک بار گاؤں میں بڑا سخت قحط پڑا۔ بات یہ ہوئی کہ اس سال بارش نہیں ہوئی کہیں سے پانی کی ایک بوند نہیں ٹپکی۔ آسمان پر بادل آتے اور اُمڈ اُمڈ کر کہیں اور چلے جاتے۔ گاؤں کے لوگ اور جنگل کے جانور بڑی حسرت سے بادلوں کی طرف دیکھتے مگر سفید سفید بادل آسمان پر ہنستے ہوئے ٹولیاں بنائے کہیں اور چلے جاتے۔

پھر کھیت سُوکھ گئے۔ جنگل کی گھاس سُوکھ گئی۔ ندی کا پانی سُوکھ گیا۔ زمین کے سوراخوں میں کیڑے مر گئے۔ مور بھوکا مرنے لگا۔ جنگل کے جانور اور گاؤں کے لوگ پیاس اور بھوک سے مرنے لگے۔

مور نے بڑی حسرت سے آسمان پر اُڑتے ہوئے بادلوں کی طرف دیکھ کے کہا "نیچے اُترآؤ خوب صورت بادلو۔ دھرتی کو اپنے پانی سے جل تھل کر دو۔ دھرتی سُوکھ گئی ہے۔ اس کے سارے کیڑے مر گئے ہیں۔ میں بھوکا ہوں۔"

بادلوں نے کہا، کیوں کہ اُس زمانے کے بادل بھی باتیں کرتے تھے "واہ ہم

کیوں اُتر آئیں۔ ہم تمہارے لئے کام کریں۔ تم ہمیں اس کے لئے کیا دوگے؟
مور نے بڑی بے چارگی سے سر ہلا کے کہا "میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بادل
ہنستے ہوئے اُڑ گئے۔

مور کئی دن سے بھوکا تھا۔ رات اُسے نیند نہیں آئی۔ آدھی رات
کے وقت پیپل نے جاگ کر اس سے کہا "کوئی کام کرو۔ بادلوں کے لئے
بادل ایسے نہیں اُتریں گے۔"
یکایک مور کے دل میں ایک خیال آیا۔ وہ وہیں خوشی سے چلّا پڑا "آگیا آگیا"
"کیا آگیا" پیپل کے پیڑ نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔
مور نے کہا "آج نہیں کل بتاؤں گا۔"

دوسرے دن مور صبح سویرے ہی اٹھا اور اس نے بگلے سے بہت
سے سفید پر مانگ لئے۔ پھر وہ پتوں کے پاس گیا۔ اُن سے سبز رنگ مانگ لیا۔
پھر وہ سورج کی کرن کے پاس گیا اور اُس سے تھوڑا سا سنہرا رنگ مانگ لیا۔
پھر وہ جامن کے پیڑ کے پاس گیا اور اُس سے تھوڑا سا جامنی رنگ مانگ لیا۔

پھر وہ پھولوں کے پاس گیا اور اُن سے رنگ مانگ لیا۔ باقی رنگ جو اُسے جنگل سے نہیں ملے وہ گاؤں کے رنگریز سے مانگ لایا۔ یہ سب پَر اور رنگ اکٹھے کر کے وہ گاؤں کے ٹوکرے بُننے والے کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا "یہ لو پر اور یہ رنگ۔ اور مجھے ایک خوب صورت سا چنور بنا دو۔"

"اس چنور کا کیا کرو گے؟" ٹوکرے بُننے والے نے مور سے پوچھا۔

"تم بنا دو۔ پھر بتاؤں گا۔"

گاؤں میں قحط پڑا ہوا تھا۔ یوں بھی ٹوکرے بنانے والے کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ اس نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دن بھر وہ یہ خوبصورت رنگوں والا چنور بناتا رہا۔ جب شام ہوئی تو یہ چنور مکمل ہو گیا۔

مور نے اس چنور کو اپنی دُم میں باندھ لیا اور دوڑتا ہوا کھیتوں میں چلا گیا۔ اس وقت شام ہو چکی تھی۔ اُودے اودے بادل آسمان پر اُمڈ آئے تھے۔ مور کھیتوں میں کھڑا ہو کر بادلوں کی طرف دیکھ کر ناچنے لگا اور چیخنے چلّانے لگا

"اُتر آؤ بادلو۔ نیچے اُتر آؤ۔ اُمڈ گھنگھور۔ مور مچادے شور"

بادلوں نے اوپر سے دیکھا۔ بادل خوشی سے گرجنے لگے۔ بجلی چمکنے لگے اور خوشی سے مور کی طرف دوڑنے لگے۔ تھوڑی دیر میں دھرتی، جنگل اور میدان جل تھل ہو گئے۔ جدھر دیکھو پانی ہی پانی۔ کسان عورتیں خوشی کے گیت گانے لگیں۔ کسان ہل لے کر کھیتوں کی طرف دوڑ پڑے۔ پیاسے جانور اُمڈی ہوئی ندی پر پانی پینے آگئے۔ اب چاروں طرف خوشیوں کی چہکاریں تھیں اور بیچ میں مور ناچ رہا تھا۔ آج مور نے اپنا کام ڈھونڈ لیا تھا۔

اُس دن سے مور کو یہ سات رنگوں والے پر ہمیشہ کے لئے مل گئے۔ اب جب کبھی آسمان پر بادل گھر گھر کر آتے ہیں تو مور انہیں دیکھ کر خوشی سے بولتا ہے اور اپنے پنکھ پھیلا کر زمین پر رقص کرنے لگتا ہے۔ بادل اس کا رقص دیکھنے کے لئے گھر گھر کر آتے ہیں اور ہماری دھرتی کو سیراب کرتے ہیں۔"

یہ قصہ سنا کے چُن مُن مچھلی نے اُلّو سے کہا "اگر تم کام نہیں کروگے تو تمہیں جل پری کبھی نہیں ملے گی۔"

"کیا کام کروں؟"

"جل پری کسی اُلو سے شادی نہیں کرے گی! پہلے تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔"

"مگر میں تو اُلو ہوں" اُلو نے بڑی بے چارگی سے کہا۔

چُن مُن نے کہا "آدمی اگر ہمت کرے تو کیا نہیں بن سکتا۔ تم اُلو ہو۔ لیکن اگر محنت کرو۔ کام کرو تو ہمیشہ اُلو نہیں رہ سکتے۔ تم بھی جل پری زاد بن سکتے ہو پانی کے راج کمار۔ سمندر کے شہزادے!"

"میں اُلو! سمندر کا شہزادہ بن سکتا ہوں؟" اُلو نے خوشی سے کہا۔

"ہاں۔ مگر اس کے لئے تمہیں سات میل تک سمندری چٹانوں کی ایک سیاہ سُرنگ میں سے گزرنا ہوگا۔"

"میں گزروں گا!" اُلو نے اپنا سینہ پھلا کر کہا۔

"سُرنگ میں سے گزرنے کے بعد تمہیں سات میل لمبی کھولتے پانی کی گرم جھیل میں سے گزرنا ہوگا۔"

"گزروں گا!" اُتو نے پھر اُسی مضبوطی سے کہا۔
"گرم جھیل کے بیچ میں ہڈیوں کے ایک خوف ناک قلعے کے اندر جاکر جادو کی ہتھنی سے ملاقات کرنا ہوگی۔"
"کروں گا!"
"اور اس کے عوض میں مجھے کیا ملے گا" اجگر نے بڑی بے تابی سے پوچھا "میں تو بھوکا رہوں گا۔"
چُن مُن نے اجگر سے کہا "تم فکر نہ کرو۔ اس بے چارے کو جانے دو۔ میں ایک ایسا گیت گاؤں گی کہ سمندر کی سینکڑوں مچھلیاں خود گیت سننے کے لئے بے قرار ہو کر کیبن کے اندر دوڑی آئیں گی۔ پھر تم اُنہیں کھا لینا۔"
اجگر نے یہ سُن کر اُتو کو آزاد کیا۔ اُتو خوشی سے بھاگتا ہوا کیبن سے باہر چلا کہ چُن مُن نے کہا۔
"پلٹ تیرا دھیان کدھر ہے؟"
اُتو نے پلٹ کر دیکھا۔ چُن مُن ہنسنے لگی۔ بولی "جاؤ! جاؤ! میں تو مذاق کر رہی

تھی ـــ مگر سچ سچ آ گئے تو بتاتے جاؤ کہ اگر تم کبھی جل پری زاد بن گئے اور تم نے جل پری کو پا لیا۔ تو ہمارے لئے کیا لاؤ گے۔"

اُلّو نے کہا" میں تمہارے لئے ہیرے جواہرات کا ایک پنجرہ بھیجوں گا"

چُن مُن نے کہا" ہیرے جواہرات میرے پاس بہت ہیں!"

اُلّو نے پوچھا" پھر تمہیں کیا چاہیے؟"

"فلمی گانوں کی کتاب!" چُن مُن بولی۔

اُلّو نے کہا" اچھا ٹھیک ہے۔ میں نے سنا ہے منہ بجائی بمبئی والا چوپاٹی پر فلمی گانوں کی بہت سی کتابیں گا گا کے بیچ تا ہے۔ میں ایک دن چوپاٹی پر جاؤں گا اور اُسے چپکے سے سمندر میں دھکیل کر یہاں لے آؤں گا۔"

چُن مُن قہقہہ مار کر بولی" سچ سچ اُلّو۔ تم تو سمجھ دار ہوتے جا رہے ہو ابھی سے۔ اچھا جاؤ۔ خدا حافظ۔"

اُلّو بھاگتا ہوا چُن مُن کے بتائے ہوئے پتے پر سات میل لمبی سیاہ سرنگ کی طرف روانہ ہو گیا جس کے اُس طرف اُبلتے ہوئے پانی کی جھیل میں جادو کی ہتھنی رہتی تھی۔

قِصّہ سات میل لمبی سُرنگ کا۔ جادو کی ہتھنی کا اور جل پری کے موتی محل کا

سات میل لمبی سُرنگ۔ اونچی اونچی سمندری چٹانوں کے درمیان تھی۔ جب اُلّو اس کے دروازے پر پہنچا تو اس نے کیا دیکھا کہ اسی دروازے پر ایک بہت بڑی شارک مچھلی رجسٹر کھولے بیٹھی ہے۔ وہ مچھلی اتنی بڑی خوفناک اور تیز چونچ والی تھی کہ اُلّو کو اس سے بڑا ڈر لگا۔

اُلّو ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا کہ اتنے میں شارک مچھلی نے چلّا کر اس سے کہا "اے کیا کرتے ہو۔ لائن میں کھڑے ہو کر باری باری آؤ" اُلّو نے سہم کر پیچھے دیکھا۔ واقعی اس کے پیچھے بہت سی مچھلیاں اور دوسرے سمندری جانور بھی سرنگ میں جانے کے لئے لائن بنائے کھڑے تھے۔ اُلّو بھی لائن میں کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی باری آئی تو شارک مچھلی نے اپنی تیز چونچ سے شفاف پروں والے رجسٹر پر لکھتے ہوئے

اس سے پوچھا۔
"تمہارا نام ؟"
"اُلّو"
"کیا کام کرتے ہو"
"سفر کرتا ہوں" اُلّو نے جواب دیا۔
"کہاں جانا چاہتے ہو؟"
"جادو کی ہتھنی کے محل میں"
"ہوں! جانے کے لئے محصول لگے گا۔ ایک موتی نکالو ــــ" شارک مچھلی نے کہا۔
اُلّو نے مایوسی سے کہا" مگر میرے پاس تو ایک بھی موتی نہیں ہے۔"
"تو واپس جاؤ" شارک مچھلی نے لاپرواہی سے کہا" میرا ٹائم ضائع نہ کرو۔ لائن میں کھڑی دوسری مچھلی کو آگے آنے دو۔"
اتفاق سے اُلّو کے پیچھے جو مچھلی کھڑی تھی اس نے اُلّو کو پہچان لیا۔ کیوں کہ

وہی مچھلی تھی جسے کیکڑے نے گھیرا تھا اور جو بچے کی تلاش میں گھر سے نکلی تھی۔ اس مچھلی نے اُلّو کے لئے اپنی جیب سے ایک موتی مچھول کا ادا کیا۔ اور دونوں سات میل لمبی سرنگ میں داخل ہوئے۔

اس سُرنگ میں بالکل اندھیرا ہوتا لیکن مچھلیوں کی حکومت نے یہاں جگہ جگہ سمندری چٹانوں پر روشن دُموں والی مچھلیوں کے لائٹ ہاؤس لگا رکھے تھے جن کی روشنی دُور تک جاتی تھی۔ جگہ جگہ سرنگ میں ایسے دروازے رکھے گئے تھے جن میں سے سمندر کا تازہ پانی سرنگ کے اندر آتا تھا۔ رستے میں خوشنما رنگوں والی روشن دُموں والی مچھلیاں مسافروں کی سہولت کے لئے گشت کرتی تھیں۔ اور ہر ایک میل کے فاصلے پر مسافروں کی سہولت کے لئے ایک ہوٹل کھلا تھا جن میں جھینگا مچھلی، پران (Prawn) دریائی گھوڑے کا بھیجہ اور اُبلے ہوئے گھونگھے ملتے تھے۔

چھ میل کے بعد بڑی مچھلی نے اُلّو سے کہا "تمہیں بھوک نہیں لگتی"۔

"لگ تو رہی ہے، مگر کیا کھاؤں۔ میں تو متھرا کا اُلّو ہوں، اس لئے سبزی خور

ہوں۔ گوشت بالکل نہیں کھاتا۔ اور یہاں ہر چیز گوشت کی ہے۔"
مچھلی نے ہوٹل والی سے پوچھا تو اس نے کہا "مچھلی کے انڈے ہیں۔"
"انڈے میں سبزی تو نہیں ہے" اُتو نے جواب دیا "انڈے بھی منع ہیں۔"
مچھلی نے ہوٹل والی سے کہا "تم صاحب کے لئے تھوڑی سی سمندری گھاس
لے آؤ اور میرے لئے اُبلے ہوئے گھونگھوں کی ایک پلیٹ۔"
کھانا کھا کے جلدی جلدی سے ان دونوں نے ساتویں میل کو پار کیا یہاں
سات میل کی سُرنگ ختم ہو جاتی تھی اور کھولتے ہوئے پانی کی جھیل شروع
ہوتی تھی مگر اس جھیل کا پانی کیسا تھا۔ رنگ پیلا زعفرانی، کہیں کہیں لہروں
کے اوپر لال جھاگ تیرتا تھا۔ اور بڑی بڑی لہریں ایسے اُبلتی تھیں جیسے کسی
بڑے کڑھاؤ میں جوش کھا رہی ہوں۔ پانی سے ایسی تیز بھاپ اٹھتی تھی
کہ اگر ذرا بھی جسم کو چھو جائے تو وہیں جلا کے خاک کر دے۔ اُتو اور مچھلی دونوں
سہم کر ساتویں میل کے سرنگ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس خوف ناک
جھیل کو دیکھنے لگے جس کا کہیں کنارہ نظر نہیں آتا تھا۔

"اس جھیل کو کیسے پار کریں گے" مچھلی نے پوچھا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں" اُلّو نے جواب دیا۔ سُرنگ کے اندر ہی سے ایک دروازہ نیلم کے بنے ہوئے ایک بہت بڑے کیبن میں کھلتا تھا جو کھَولتی ہوئی جھیل کے اندر واقع تھا، اور جس کے اندر جاکر آپ کیبن کے شفّاف دریچوں سے جھیل کی کھولتی ہوئی لہروں کا چاروں طرف سے منظر دیکھ سکتے تھے۔ اس کیبن میں جانے کا محصول ایک موتی تھا۔ مچھلی نے ایک موتی اپنے لئے اور ایک موتی الّو کے لئے ادا کیا اور دونوں کیبن کے اندر چلے گئے۔ کیبن کے اندر ایک آدمی لمبی داڑھی رکھے ہوئے ایک چوکی پر بیٹھا تھا۔ سامنے میز پر لوہے کے دو بڑے بڑے بکسے رکھے تھے۔ اُس آدمی کی آنکھوں کی پُتلیاں گہرے سُرخ رنگ کی تھیں۔ اُلّو اس آدمی کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ کالی، نیلی، بھوری، سبز آنکھوں والے آدمی تو اس نے دیکھے تھے مگر لال آنکھوں والا آدمی اُس نے آج ہی دیکھا۔

الّو نے کہا "تم کون ہو؟"

اس آدمی نے جواب دیا "میں بغداد کے خلیفہ ہارون رشید کا خزانچی ہوں"

"یہاں کیسے آئے؟"

"یہاں آئے ہوئے مجھے چھ سو سال ہو گئے" اس آدمی نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا "میں نے خلیفہ کے خزانے میں چوری کی تھی۔ اُس نے سزا میں میری دونوں آنکھیں نکال لیں اور مجھے سمندر میں ڈبا دیا۔ آج کل میں جادو کی ہتھنی کا نوکر ہوں۔"

"جادو کی ہتھنی کہاں ہے؟"

"وہ اس جھیل کے اُس پار ہڈیوں کے محل میں رہتی ہے۔"

"مگر اس جھیل کو کیسے پار کروں۔ پانی کھول رہا ہے۔ میں تو اندر جاتے ہی اُبل جاؤں گا۔"

خلیفہ ہارون رشید کا خزانچی ہنسا۔ بولا "تم اس جھیل کو پار کر سکتے ہو۔ جادو کی ہتھنی نے وہیل مچھلی کی ہڈیوں کا ایک جہاز اسی کام کے لئے رکھ چھوڑا ہے مگر اس جہاز کا کرایہ بہت مہنگا ہے۔"

"کیا ہے؟" بڑی مچھلی نے پوچھا جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی۔

"دو سو موتی۔"

"دو سو موتی!" بڑی مچھلی نے چلّا کے کہا "دو سو موتی ہم کہاں سے لائیں؟"

"تو واپس جاؤ۔"

"ہم جاتے ہیں، آؤ اُلّو واپس چلیں۔"

"میں تو نہیں جاؤں گا۔ میں تو کھولتی ہوئی جھیل تیر کے پار کروں گا" اُلّو بولا۔

مچھلی نے کہا "مر جاؤ گے۔"

"کوئی ہرج نہیں۔ مر جاؤں گا تو مر جاؤں گا مگر اب پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔"

"تمہاری مرضی، میں تو جاتی ہوں۔ میں نے تو کھولتا ہوا سمندر دیکھ لیا میری سچائی کی تلاش ختم ہو گئی۔ ہمارے علاقے کی مچھلیوں میں یہ بات مشہور ہے کہ سمندر کا پانی ہمیشہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ آج میں نے کھولتا ہوا سمندر دیکھ لیا۔ اب میں جاتی ہوں۔"

بڑی مچھلی چلی گئی۔ اُلّو نے خزانچی کے پاؤں پکڑ لیے اور گڑگڑا کر کہنے لگا میرے

پاس دو سو موتی تو نہیں ہیں لیکن اپنے دو سو آنسو تمہیں دے سکتا ہوں۔ مجھے کسی طرح سے جادو کی ہتھنی کے پاس پہنچا دے۔"

خزانچی نے کہا "اگر تو دو سو موتی نہیں دے سکتا تو اپنی ایک آنکھ دے دے۔"

"ایک آنکھ؟" اُلّو نے حیران ہو کے پوچھا۔

"ہاں" لالچی خزانچی بولا "مجھے آنکھیں جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔"

اُلّو نے آہستہ سے سر ہلا کے کہا "سمجھ گیا، جیسے کچھ لوگوں کو ڈاک کے پرانے ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔"

"ہاں" خزانچی بولا "میں جانوروں کی آنکھیں جمع کرتا ہوں۔ ان دونوں بکسوں میں طرح طرح کے جانوروں کی آنکھیں ہیں۔" خزانچی نے اسے ایک بکسا کھول کے دکھایا۔ اس میں طرح طرح کے جانوروں کی آنکھیں تھیں۔

"مگر" خزانچی نے آہ بھر کے کہا "میرے پاس سب جانوروں کی آنکھیں ہیں مگر اُلّو کی آنکھ نہیں ہے۔ اگر تم مجھے اپنی ایک آنکھ دے دو تو میں تمہیں ہڈیوں کے جہاز پر سوار کر کے جادو کی ہتھنی کے محل تک پہنچا دوں گا۔"

اُلّو نے سوچا۔ ایک آنکھ کی بات تو ہے، دوسری آنکھ تو رہے گی۔ میں جل پری کو دیکھ تو سکوں گا۔ کوئی حرج نہیں۔ چلو، ایک آنکھ بھی اپنی دے دیتا ہوں۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ خزانچی نے اُلّو کی ایک آنکھ نکال کے لوہے کے بکسے میں بند کرلی اور پھر خوشی خوشی وہ اُلّو کو ہڈیوں کے جہاز میں سوار کر کے جھیل کے اُس پار لے گیا جہاں سمندر کی تہہ میں ہڈیوں کا ایک سات منزلہ محل تھا جس میں جادو کی ہتھنی رہتی تھی۔ خلیفہ ہارون رشید کے خزانچی نے اسے محل کے دروازے پر چھوڑ دیا اور اس سے کہا "میرے جانے کے بعد اس محل کے دروازے کو سات بار کھٹکھٹانا۔ ساتویں بار دروازہ خود بخود کھل جائے گا اور اندر سے سات بار آواز آئے گی "اندر آجاؤ، اندر آجاؤ" مگر دیکھنا اندر نہ جانا، ورنہ مر جاؤ گے۔ پھر دروازے کے اندر سے سات بار جادو کی ہتھنی تم سے کہے گی "کون ہو تم، کون ہو تم" تم سات بار کہنا "اُلّو اُلّو اُلّو" . . . اس پر جادو کی ہتھنی سات قہقہے لگائے گی ساتویں قہقہے پر تم جھٹ سے دروازے کے اندر چلے جانا اور جادو کی ہتھنی کی سونڈ پکڑ لینا

اور پھر اس وقت تک اس کی سونڈ نہ چھوڑنا جب تک وہ تمہاری بات نہ مان لے، سمجھ گئے!"
اُلّو نے سر ہلا کے کہا "ہاں"
خزانچی نے جاتے جاتے اُلّو کی دوسری آنکھ کی طرف لالچ سے دیکھتے ہوئے کہا "اگر تمہاری دوسری آنکھ بھی مل جاتی تو میرا سیٹ مکمّل ہو جاتا۔"
اُلّو نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا "واپسی میں لے لینا۔"

خزانچی خوش خوش واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اُلّو نے محل کا دروازہ سات بار کھٹکھٹایا۔ سات بار اندر سے آواز آئی "اندر آجاؤ" مگر اُلّو اندر نہیں گیا۔ پھر اندر سے سات بار کسی نے پوچھا "کون ہو تم؟" اور اُلّو نے سات بار کہا "اُلّو" پھر اندر سے کسی نے سات بار قہقہے لگائے، اور ساتویں قہقہے پر اُلّو جھٹ سے اندر داخل ہو گیا اور اس نے جادو کی ہتھنی کی سونڈ پکڑ لی۔

"چھوڑو۔ چھوڑو مجھے" جادو کی ہتھنی غصّے سے چلّائی۔ اس نے سونڈ کو ادھر اُدھر کئی بار پٹکا مگر اُلّو نے سونڈ کو نہ چھوڑا۔ آخر جادو کی ہتھنی تھک گئی۔

بولی "تم کیا چاہتے ہو؟"

اُلّو نے کہا "میں جل شہزادہ بننا چاہتا ہوں۔"

جادو کی ہتھنی نے کہا "اس کے لئے بڑی قربانی دینی پڑے گی۔"

"دوں گا۔"

جادو کی ہتھنی نے کہا "میں تمہاری دوسری آنکھ بھی نکال لوں گی۔"

"نکال لو۔"

جادو کی ہتھنی ہنس کر بولی "پھر تم اپنی جل پری کو کیسے دیکھو گے۔"

اُلّو نے کہا "ارے؟ یہ بات میرے دھیان میں نہیں آئی تھی۔"

"نرے الّو ہو!" ہتھنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

الّو نے سر جھکا کے کہا "کچھ بھی ہو تم مجھے جل شہزادہ بنا دو۔ میں جل پری سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

جادو کی ہتھنی بولی "آنکھیں نکال لینے کے بعد میں تمہارا سر بھی کاٹ لوں گی۔"

"پھر تو میں مر جاؤں گا۔"

جادو کی ہتھنی نے کہا "یہ میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر تمہیں میری شرطیں منظور نہیں ہیں تو واپس لوٹ جاؤ۔ اگر جل شہزادہ بننے کی خواہش ہے تو اپنی جان بھی دینا ہوگی۔"

"دوں گا" اُلّو نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ایک شرط اور بھی ہے"

"کیا؟"

"جل شہزادہ بنانے سے پہلے میں آدمی کے اندر کا عکس دیکھتی ہوں۔ اگر اس کا اندرونی عکس صاف ستھرا بے داغ ہوا جب ہی وہ آدمی جل شہزادہ بن سکتا ہے لیکن اگر عکس خراب نکلا تو میرا کوئی جادو کام نہیں کر سکتا۔ پھر تمہیں واپس جانا ہوگا۔"

"عکس تم کیسے لیتی ہو؟"

"تمہیں اس سے کیا؟ دیکھو جیسے زمین پر لوگ کیمرہ سے فوٹو لیتے ہیں مگر یہ فوٹو باہر کا ہوتا ہے۔ میرے پاس ایسا کیمرہ ہے جو آدمی کے اندر کا فوٹو لیتا ہے۔"

"اندر کا فوٹو!"

جادو کی ہتھنی نے کہا "دنیا کے لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ ہر کیمرے میں دو نیگٹو ہوتے ہیں۔ ایک نیگٹو میں آدمی کے ظاہر کی تصویر آتی ہے دوسرے میں اس کے باطن کی۔ اندر کی۔ جوں ہی کیمرے کا بٹن دبایئے، فوراً دونوں تصویریں کھنچ جاتی ہیں مگر کیمرے میں صرف ظاہر کی تصویر باقی رہتی ہے۔ دوسری تصویر اسی وقت کیمرے سے نکل کر میرے پاس چلی آتی ہے۔ یہ آدمی کے اندر کی تصویر ہوتی ہے اور دنیا والے اُسے نہیں دیکھ سکتے ورنہ انہوں نے سب کیمرے توڑ دئے ہوتے۔ آج تک ایک کیمرہ انسان کے ہاتھوں میں نہ پہنچتا۔"

اُلو نے سر ہلا کے کہا "یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو۔"

جادو کی ہتھنی نے کہا "آؤ میرے ساتھ اندر کے کمرے میں۔ میں تمہیں زمین پر چلنے والے انسانوں کے عکس دکھاؤں۔"

یہ کہہ کر جادو کی ہتھنی اُسے ایک اندھیرے کمرے میں لے گئی۔ اندر جا کے اس

نے کہیں سے ایک بٹن دبایا اور سامنے پانی کی ایک بہت بڑی چادر پر تصویریں نظر آنے لگیں۔

جادو کی ہتھنی نے کہا "میں تمہیں ایک ہی فوٹو کی دو تصویریں دکھاتی ہوں۔ دیکھو یہ کیا ہے؟" پانی کی چادر پر ایک آدمی دوسرے آدمی سے بغل گیر ہو رہا تھا اور اس سے کہہ رہا تھا 'ہم دونوں بھائی بھائی ہیں'

"اب دیکھو" جادو کی ہتھنی نے کہا۔

اسی لمحے وہ تصویر ایک عجیب و غریب طریقے سے بدل گئی۔ اب بھی دونوں آدمی ایک دوسرے کے گلے لگ رہے تھے۔ مگر یہ جیسے اوپر کا عکس تھا ان کے اندر سے ایک اور تصویر ابھر آئی جس میں یہ دونوں آدمی ہاتھ میں چاقو لئے ایک دوسرے کی طرف غصّے سے دیکھتے ہوئے ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔

"اب دیکھو"

اُلّو نے دیکھا جمنا جی کے کنارے ایک سادھو آنکھیں بند کئے ہاتھ میں مالا لئے

بھگوان کا نام جپ رہا تھا۔ دوسرے لمحے میں اُتو نے دیکھا کہ وہی سادھو ذرا سی آنکھیں کھولے قریب ہی نہاتی ہوئی ایک عورت کو بُری نظروں سے گھور رہا ہے۔

"اب دیکھو"

پانی کی چادر پر ایک آدمی مرتے ہوئے اپنے دوست سے کہہ رہا تھا میرے مرنے کے بعد میرے بچّے کا خیال رکھنا۔ اس کی جائداد کا سربراہ میں نے تمہیں مقرر کیا ہے۔ یہ چھوٹا سا بچّہ اب تمہارے سپرد ہے۔"

مرتے ہوئے آدمی نے بچّے کو اپنے دوست کی آغوش میں دیا۔

دوست نے کہا" تم فکر نہ کرو۔ تمہارے بعد میں اس بیٹے کو اپنے بیٹے سے بڑھ کے سمجھوں گا۔"

دوسرے لمحے اسی تصویر کے اندر سے دوسری تصویر اُبھر آئی، وہی دوست اپنے مرنے والے دوست کے بچّے کو چھڑی سے دھڑادھڑ پیٹ رہا ہے۔

"اب دیکھو"

ایک لیڈر ایک اونچی سیٹج پر لوگوں سے کہہ رہا تھا " جب میں وزیر بن جاؤں گا تو تمہارے لئے تالاب اور نہریں بناؤں گا۔ گندم روپے کی بیس سیر بکے گی اور کپڑا دو آنے میں چار گز ملے گا۔ میں تمہارے بچوں کو مفت تعلیم دلواؤں گا اور میرے راج میں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔"

اسی لمحے اسی تصویر کے اندر سے ایک اور تصویر نکل آئی اس میں وہی لیڈر وزیر بنا بیٹھا تھا اور ایک کھڑکی سے باہر دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا کیونکہ کھڑکی سے باہر نیچے میدان میں اس کی پولیس اسکول کے لڑکوں پر گولی چلا رہی تھی۔

" دیکھا تم نے " جادو کی ہتھنی نے مسکرا کے کہا " مفت تعلیم دیتے دیتے مفت موت دینے لگتے ہیں۔ دیکھا میرے کیمرے کا کمال۔ یہ اسی وقت باہر کی تصویر لیتے ہوئے اندر کی تصویر بھی کھینچ لیتا ہے۔ فوراً اسی وقت میں بتا سکتی ہوں کہ اس آدمی کے ظاہر میں اور باطن میں کتنا فرق ہے۔"

الو نے کہا " بھگوان کے لئے میری تصویر نہ لو۔"

ہتھنی بولی " نہیں لوں گی تو تمہیں یہاں سے خالی ہاتھ جانا پڑے گا۔"

آخر اُلّو راضی ہو گیا۔ ہتھنی اُسے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اس کی تصویر لی۔ کیمرے سے کھٹ سے دو نیگٹو نکل پڑے۔ ہتھنی نے دونوں نیگٹو کو جادو کے پانی میں ڈبویا۔ اور پھر پانی کی چھوٹی چھوٹی چادروں پر انہیں چھاپا اور دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دونوں تصویریں بالکل ایک جیسی تھیں۔ بالکل ایک سی۔

اُلّو بڑا حیران ہوا۔ بولا "جب میں جمنا جی کے کنارے درخت پر بیٹھا بیٹھا جھکتی کیا کرتا تھا تو میرے دل میں طرح طرح کے خیال آیا کرتے تھے۔"

ہتھنی نے آہستہ سے کہا "شاید جل پری کی محبت نے تمہارے ظاہر اور اندر کی ایک ہی تصویر بنا ڈالی ہے۔"

اس کے بعد ہتھنی نے اُلّو کی دوسری آنکھ بھی نکال ڈالی۔ اُلّو نے سی تک نہ کی۔ اس کے بعد جادو کی ہتھنی نے اس کا سر پکڑ کے کہا "اب میں تمہارا سر کاٹنے لگی ہوں۔ اب بھی وقت ہے سوچ لو۔"

اُلّو نے کہا "اب سوچنے کا وقت گزر گیا۔"

ایک زور کا جھٹکا لگا اور اُلّو کا سر کٹ گیا اور یکایک چاروں طرف اندھیرا چھا گیا

یکایک اُس نے دیکھا اب وہ اژدر نہیں رہا ، ایک خوب صورت جل شہزادہ بن گیا . . . .

اور پھر چاروں طرف آہستہ آہستہ دھیمی دھیمی نیلی روشنی پھیلتی گئی اور چاروں طرف مچھلیوں کے گانوں کی آوازیں آنے لگیں، اور یکایک اُلّو نے دیکھا کہ اب وہ اُلّو نہیں رہا۔ وہ ایک خوب صورت جل شہزادہ بنا ہوا خوب صورت مچھلیوں کی طرح اپنی خوب صورت دُم سے تیرتا ہوا مونگے کی محرابوں میں سے گزرتا ہوا ایک شان دار محل کے دروازے کی طرف بڑھ رہا ہے جو سارے کا سارا موتیوں سے جڑا ہوا ہے چاروں طرف سے اس پر سمندر کے خوش رنگ پھولوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اور چُن مُن مچھلی سے بھی زیادہ سریلی آواز میں ہزاروں مچھلیاں اس سے کہہ رہی ہیں۔

"خوش آمدید، شہزادے خوش آمدید!"

اُلّو بہت ہلکا بہت ہی ہلکا سا محسوس کر رہا تھا۔ اب اس کے سینے میں اس کا دم نہیں گھُٹتا تھا اپنی خوب صورت دُم سے، اور اب اس کا جسم ایک خوب صورت نوجوان کا تھا۔ اور اس کا چہرہ ایک نہایت ہی حسین شہزادے کا تھا۔ اس کے گلے میں موتیوں کے ہار تھے اور جواہرات اس کے سینے پر

جگ مگ کر رہے تھے۔ اور اس کے سبز لانبے ریشمی بال اُڑ اُڑ کر اس کے ماتھے تک آجاتے تھے۔

"خوش آمدید، شہزادے خوش آمدید"

یکایک اس نے دیکھا کہ محل کے اندر سے لاکھوں ستاروں سے مزین خوبصورت لہروں والا گاؤن پہنے ہوئے شہزادی جل پری۔ سیپ، مونگے، موتی اور جواہرات کے تخت سے نیچے اُتر کر اس کے پاس آئی اور اس نے اپنی دونوں باہیں پھیلا کر اس سے نہایت ہی باریک اور سریلی آواز میں کہا

"میرے شہزادے"

جل شہزادے نے جل پری کو گلے سے لگا لیا۔ چاروں طرف مچھلیاں ان کے گرد تیرنے لگیں اور ناچنے لگیں اور تھوڑی دیر میں دربار ہال میں وہ دونوں بھی جل پری اور جل شہزادہ ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ناچنے لگے اور ہنسی خوشی ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے۔"

کالی چڑیا یہ کہانی سنا کے چپ ہو گئی۔ اجگر کو کہانی سننے میں بڑا مزا آیا۔ وہ اطمینان سے سانس لے کے بولا "واہ واہ کالی چڑیا کیسی عمدہ کہانی سنائی ہے تم نے۔ اس کہانی کو سن کر اب مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔ اب آجاؤ تمہیں کھالیں۔"

یہ کہہ کر اجگر نے کالی چڑیا کو کھانے کے لئے اپنا مونہہ کھولا۔ اور کالی چڑیا نے سوچا "اب میری موت آگئی" لیکن عین اسی وقت ایک کڑکا سا ہوا اور اجگر نے پلٹ کر دیکھا تو سفید چڑیوں کا ایک غول اندر چلا آرہا تھا، وہ لوگ چند چڑیاں اجگر کے کھانے کے لئے لائے تھے۔ انہوں نے ان چڑیوں کو اجگر کے سامنے مگر ذرا فاصلے پر رکھ دیا اور خود سر جھکا کے ہاتھ جوڑ کے واپس ہو گئے۔ اجگر نے کالی چڑیا کو کھانے کا خیال چھوڑ دیا۔ کیوں کہ یہ سفید چڑیاں خوب موٹی تازہ تھیں۔ اور ان میں سے ایک چڑیا تو بہت ہی موٹی تھی اتنی موٹی کہ اس سے ہلا بھی نہ جاتا تھا۔ خوب پلی ہوئی تھی۔ اجگر کے مونہہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے ٹکٹکی لگا کے جو غور سے چند لمحوں کے لئے ان سفید چڑیوں

کی طرف دیکھا تو یہ چڑیاں اس طرح اس کی طرف کھنچی چلی آئیں جیسے لوہے کے ٹکڑے مقناطیس کی طرف کھنچ کر چلے آتے ہیں۔

اجگر مونہہ کھول کر سب سے پہلے سب سے موٹی چڑیا کو کھانے والا ہی تھا کہ کالی چڑیا نے اس موٹی چڑیا کو پہچان لیا۔ ارے یہ تو اس کا اپنا راج کمار تھا جو اُس روز اس کے گھونسلے میں آگرا تھا۔ جس سے وہ اس قدر محبت کرتی تھی، کالی چڑیا گھبرا گئی۔ کیا کرے۔ کیا نہ کرے۔ کس طرح سے اپنے راج کمار کی جان بچائے۔

اجگر نے راج کمار کو اپنے مونہہ میں اٹھا لیا۔ کالی چڑیا نے چلّا کے کہا "اسے مت کھاؤ!"

اجگر نے سفید چڑیا کو زمین پر رکھ دیا۔ کالی چڑیا سے پوچھنے لگا "کیوں نہ کھاؤں" کالی چڑیا نے کہا "یہ چڑیوں کے بھگتی کا بیٹا ہے۔ اس کا گوشت بہت غلیظ ہوتا ہے۔"

راج کمار نے گھور کے غصّے سے کالی چڑیا کی طرف دیکھا۔

اجگر نے کہا "مگر دیکھنے میں تو بہت صاف ستھرا دکھائی دیتا ہے۔ خوب موٹا تازہ پلا ہوا چڑا ہے۔"

کالی چڑیا نے کہا "ہر وہ چیز جو اوپر سے اچھی دکھائی دیتی ہے ضروری نہیں ہے کہ اندر سے بھی اچھی ہو۔ کیا تم نے جنگلی راج کمار کے چچا منگلی مہاراج کی کہانی نہیں سنی۔"

اجگر نے پوچھا "وہ قصہ کس طرح ہے؟"

کالی چڑیا نے منگلی مہاراج کی کہانی سنانی شروع کی۔